ISSN2249-894X Impact Factor :3.1402 (UIF) Volume- 5 |Issue- 11 |August - 2016

Review Of Research

ادبی تحریک میں خواتین کا حصہ

اسوسی ایٹ پروفیسر ڈاکٹر شیخ میمونہ اللہ بخش
بی۔ای۔ایس۔مہیلا مہاودھیالیہ ، شولاپور

انیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائیوں میں انگریزی تعلیم اور جدید تہذیب کا چرچا ہو چکا تھا۔ سرسید اور ان کے رفقاء حاضرین خصوصاً جسٹس امیر علی، مولانا محمد حسین آزاد، مولانا حالی ،ڈپٹی نذیر احمد ، راشد الخیری کی اصلاحات علمی و ادبی خدمات کے اثرات سماج کے ہر طبقے پر انداز ہونے لگے تھے۔ سر سید اور ان کے رفقاء نے مردوں کی تعلیم کے مقابلے میں عورتوں کی تعلیم پر توجہ قدرے کم دی۔ لیکن خواتین میں بیداری اور شعور کی آگہی کے لئے علی گڑھ تحریک کا اثر ضرور رہا کیونکہ خواتین کو تعلیم حاصلہ سے مربوط کرنا ایک اہم مسئلہ تھا۔ عورتوں کی تعلیم میں بے شمار رکاوٹیں حائل تھیں۔ کم سنی میں شادی کا رواج عام تھا۔ عورت کو گھر کی ذمہ داری تک مھدود تصور کیا جاتا تھا۔

۱۸۸۸ء میں ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس ہوا جس میں عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ شدت سے زیر بحث رہا لیکن سرسید نے خود مسلم عورتوں کی تعلیم کی مخالفت کی۔

''جدید نظام عورتوں کی اس زمانے میں کیا جاتا ہے خواہ انتظام گورنمنٹ کا ہو اور خواہ اسی طرز کا۔

اس کو میں پسند نہیں کرتا۔ عورتوں کی تعلیم کے لئے مدرسوں کا قائم کرنا اور یورپ کے زنانہ مدرسوں کی
تقلید کرنا ہندوستان کے موجودہ حالت کے کسی طرح مناسب نہیں ہے اور میں اس کا سخت مخالفت ہوں۔

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس میں خواتین کی تعلیم کا مسئلہ زیر بحث رہا۔ خواجہ غلام الثقلین ، سید کرامت حسین نے خواتین کی تعلیم پر شدید زور دیا اور سرسید کے خیالات کی تردید کی۔ اس کے بعد ۱۸۸۹ء میں ایک سال بعد کلکتہ میں ایک اجلاس منعقد ہوا ۔ جس میں جسٹس امیر علی نے تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ دی اور اس طرح اظہار خیال کیا۔

''اس بات کا مجھے پورا یقین ہے کہ ہم اگر ترقی کرنا اور تہذیب دنیا کی نگاہ میں وقعت حاصل کرنا چاہتے
ہیں تو ہمیں اپنی عورتوں کو ۔۔۔۔۔۔''

اسی کانفرنس کے اجلاس میں خواتین کی تعلیم کے متعلق ریزرویشن پاس ہوا اور ان کی تعلیم کو علی گڑھ تحریک کا جزبنانے کی تائید کی گئی۔ بس اس کے ساتھ ہی عورتوں کی تعلیم اور نسواں تحریک کا ماحول بننے لگا اور تعلیم نسواں کو ایک تحریک کی صورت دی جانے لگی۔ اس دور میں ادب کے سہارے خواتین میں بیداری پیدا کرنے کے لئے ایک بہت بڑا حلقہ سامنے آیا۔

مولوی نذیر احمد پہلے ناول نگار ہی نہیں بلکہ ادیب بھی ہیں جنہوں نے شعوری طور پر عورتوں کی تعلیم و تربیت کی طرف توجہ دی اور ادب کے سہارے تعلیم نسواں کی حمایت شروع کی۔ یہ بھی سچ ہے کہ وہ مغربی تعلیم یا تہذیب کی حمایت نہیں کرتے اور نہ

ہی اس کو اچھا سمجھتے تھے لیکن انہوننے پہلی بار عورتوں کے تعلیمی، تہذیبی مسائل کو منظر عام پر لایا۔ اسی اثنا ء میں سرشار ، شرر بھی میدان میں آتے ہیں سرشار نے فسانۂ آزاد میں اس طرح تعلیم نسواں کا ذکر کیا ہے۔

''ہماری دلی آرزو ہے کہ ہم مدرسہ نسواں قائم کریں میں نے ایک لکچر لکھا ہے یہاں آزاد اگر اصلاح
دے دیں تو میں کسی دن یہاں کی شریف زادیوں کو جمع کر کے لکچر دوں شاید کسی کے دل پر اثر کرے۔''

اس تحریر سے یہ واضح ہوتا ہے تعلیم نسواں کے بارے میں ایک مبسوط سوچ بن رہی تھی۔ یہ وہ دور ہے جب تعلیم نسواں کی تحریک کے سوتے پھوٹنے لگے تھے۔ اسی زمانے میں ایم اے او کالج، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کی تحریک شروع ہوئی۔ اس با اثر تحریک میں مردوں کے دوش بدوش خواتین نے بھرپور حصہ لیا۔ رفتہ رفتہ خواتین کی اچھی خاصی تعداد اسکولوں اور کالجوں کی سطح تک پہنچ چکی تھیں۔ اب یہ خواتین نثر و ادب درس تدریس سب میں آگے آنے لگیں تھیں۔ خواتین میں ایک لہر موجز تھی۔ شعر و ادب ، سیاست و معاشرت سب شعبوں میں خواتین آگے آنے لگیں تھیں۔ مختلف رسائل میں خاتون مضمون نگار منظر عام پر آنے لگیں۔

مارچ ۱۸۸۴ء میں خواتین کا پہلا رسالہ ''رفیق نسواں'' لکھنؤ سے جاری ہوا ۔ اس کے بعد ''گلدستۂ ناز'' جاری ہوا۔ کسی خاتون کی ادارت میں نکلنے والا یہ پہلا رسالہ تھا۔ اس کے مالک بلقیس بیگم تھیں۔ ''گلدستۂ ناز'' ماہنامہ تھا اور ناظمہ بیگم اس کی مدیر تھیں۔

محب حسین نے حیدرآباد سے معلم نسواں کے نام سے ایک ماہوار رسالہ نکالا۔ محب حسین حقوق نسواں کے زبردست حامی تھے۔ انہوننے مختلف مضامین میں خواتین کے حقوق تعلیم نسواں اور خصوص کر خواتین کے لئے مخصوص نصاب کو مدعون کرنے پر توجہ دی تھی۔ حیدرآباد میں تعلیم نسواں اور حقوق نسواں کے بارے میں مختلف مضامین منظر عام پر آنے لگے۔

محب حسین کے متعلق نصیر الدین ہاشمی کہتے ہیں۔

''حیدرآباد کے پہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے حقوق نسواں کے متعلق توجہ کی ''

ان ادبی رسائل اور مضامین کے منظر عام پر آنے او رسیاسی حالات کے زیر اثر خواتین میں تعلیمی ترقی کا شدت سے احساس ہونے لگا اور تعلیم کے ساتھ ساتھ خواتین میں ملازمت کا رجحان بھی پیدا ہونے لگا اور ایک جنبش ہونے لگی۔ رسالہ ایک کے بعد دوسرے منظر عام پر آنے لگے۔ تہذیب نسواں ہفتہ وار لاہور سے جاری ہوا۔ اس کی مدیر محمد بیگم تھیں۔ اس کے بعد حجاز امتیاز نے اس کی ادارت کی یہ وہ دور تھا جب خواتین کھل کر لکھنے سے گریز کرتیں یا اس پر اعتراضات ہوتے لہٰذا سر ورق پر ایڈیٹر کے نام پس پردہ رہتا تھا۔

''تہذیب نسواں جو کہ ایک شریف بی بی کی ادارت میں ہر ہفتہ شائع ہوتاہے۔''

یہ رسالہ رفتہ رفتہ خواتین میں مقبول ہونے لگا۔ جس سے خواتین میں علمی و ادبی شوق پیدا ہونے لگا۔

قرۃ العین حیدرکہتی ہیں۔

''بہت جلدی تہذیب نسواں سارے ہندوستا کے متوسط طبقے کے اردو داں مسلم گھرانوں میںپہنچے گا

اس کی وجہ سے معمولی تعلیم یافتہ پردہ نشین خواتین میں تصنیف و تالیف کا شوق پیدا ہوا۔''

تہذیب نسواں خواتین میں ادبی شعور کی آگہی کے ساتھ عصری آگہی کے ساتھ ساتھ فرسودہ خیالات کی اصلاح کی طرف بھی مائل تھا۔ تہذیب نسواں کے ذریعے خواتین کے سماجی مسائل ، معاشرتی، رہن سہن، لباس ، زیور معمولات ان سب پر اظہار کیا گیا ۔ ۵ برس تک یہ رسالہ خواتین کی فلاح و بہبود اور اصلاح کے لئے کوششیں کرتا رہا۔ عبدالحلیم شرر نے ایک ماہنامہ ''پردہ عظمت'' جاری کیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۴ء میں علی گڑھ سے شیخ عبداللہ نے ایک ماہنامہ ''خاتون '' جاری کیا۔

اس کے پہلے شمارے کے تین لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دور میں ہر ذی حس تعلیم نسواں کا احساس رکھتا تھا اور سب ایک ہی مقصد کو پروان چڑھا رہے تھے۔

''تعلیم نسواں کی ضرورت مختلف پیرائوں سے ثابت کرنے کے علاوہ ہماری بڑی کوشش یہ ہوگی کہ

ہم عورتوں میں اعلیٰ اور پاکیزہ خیالات کی جو ان کی ذات اور ان کے حالت کے مناسب ہوں گے

اشاعت کریں ان میں صحیح مذاق پیدا کریں۔''

علامہ راشدالخیری نے جون ۱۹۰۸ء سے عصمت رسالہ نکالا۔ انہوننے ''عصمت'' کے علاوہ ''تمدن '' بھی جاری کیا۔ جن میں حقوق نسواں سے متعلق مضامین شائع ہوئے۔ تمدن کے بعد راشد الخیری نے ''سہیلی'' کے نام سے ہفتہ وار رسالہ نکالا۔ اس کے بعد ''نبات '' جاری ہوا۔ ''نبات تربیت گاہ نبات'' سے جاری ہوتا تھا۔ راشد الخیری نے تربیت گاہ نبات خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے قائم کی تھی۔

اسی اثناء میں لاہور سے ۱۹۰۹ء میں شریف بی بی کے نام سے ایک رسالہ جاری ہواجس کے نگراں منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور تھے اور مدیر فاطمہ بیگم تھیں۔ اس میں بھی نسواں کے مسائل اور طبقہ نسواں کی اصلاح سے متعلق مضامین شائع کئے جاتے رہے۔ اس طرح بیسویں صدی کے ربع حصہ تک مختلف رسائل کے ذریعے خواتین مختلف عنوانات سے منظر عام پر آہی تھیں۔ اس دور کے اکثر مضامین میں اصلاح معاشرہ اور گرہستی کے مسائل پیش ہوتے تھے۔ لہٰذا خواتین نے افسانوی ادب کو بنیاد بنایا۔ شاعری پر کم توجہ دی گئی چونکہ شاعری کا تعلق عشقیہ جذبات سے رہا ہے اس لئے خواتین کی شاعری اس دور کے عصری تقاضوں کے مطابق معیوب بات سمجھی جاتی تھی۔

نثر کے حوالے سے اس دور میں خواتین نے مسلسل سعی کی۔ رشید النساء ، محمدی بیگم ، نذر سجاد، حمید بانو، عبداللہ سلطان بیگم، بیگم مختار علی، حجاب امتیاز ، صالحہ عابد حسین وغیر یہ وہ نام ہیں جو ادبی منظر نامہ پر ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ طبقہ نسواں میں مختلف تحریکات کا سبب بنتی ہیں اور اس کے بعد سے تحریک نسواں ایک منظ شکل اختیار کرتی ہے۔

نذ ر سجاد حیدر ، سجاد حیدریلدرم کی بیگم اور مایہ ناز ناول نگار قرۃ العین حیدر کی والدہ تھیں۔ انہوننے اس دور کے مشہور رسائل تہذیب نسواں خاتون اور عصمت میں قسط وار افسانوں کو پیش کیا۔ اس کے علاوہ آہ مظلوماں ، ثریا ، نجمہ ناولوں میں اپنی ایک شناخت بنائی۔ نذر سجاد نے اس دور کے تقاضوں کے مطابق خواتین کے مسائل کی نشاندہی کی اور حقوق نسواں کی آواز کو بلند کیا اور باریک بینی سے مشرقی خواتین کے سلگتے ہوئے مسائل کو اجاگر کیا اور خواتین میں تحریر کی طرف رغبت بھی پیداکی۔

عورتوں کے حقوق اور مشرقی تہذیبی اقدار کو بڑی نزاکت سے پیش کیا ہے۔ اصلاحی افسانہ نویسی کی اس فضاء میں خواتین کی تعلیم پر مختلف دانشوروں نے توجہ دینی شروع کی۔ علامہ راشد الخیری اور دیگر حضرات نے تعلیم نسواں اور مشرقی اقدار پر توجہ دی تو نیاز فتح پوری نے اپنی آزاد خیالی اور حریت قلم سے عورتوں کی تعلیم ، معاشرے میں ان کے کردار کی اہمیت اور تمدنی زندگی میں ان کے کارناموں پر خصوصی توجہ دی گئی۔ نیاز فتح پوری کے خیالات و افکار نے اردو شعر و ادب خصوصاً اردو نثر پر گہرے اثرات مرتب کئے اور طبقہ نسواں میں ایک ہلچل پیدا کردی۔ اس کے ساتھ ہی ایسا ماحول پیدا ہوا کہ ادیبوں اور شاعروں کے سوچنے کا انداز یکسر بدل دیا۔ ایک طرف رومانوی ادب فروغ پایا تو دوسری طرف حقیقت سے قربت حاصل کرنے لگے اور اس طرح افسانوی دنیا میں پریم چند نے نچلی درجے کے طبقات اور متوسط معاشرت کو منظرعام پر لایا۔

اس طرح نسوانی دنیا میں ایک پرجوش تحریک پیدا ہوئی۔ پروفیسر احتشام حسین کہتے ہیں۔

''سرسید کی اصلاحی اورترقی پسند انقلابی تحریکوں کے درمیان جس قسم کی عقلیت پرست روایت شکتی
نمودار ہوئی اس کے سب سے نمایاں مثال نیاز فتح پوری کی تھی۔ نیا ز نے ادب و فکر کو بے باکی سکھائی
جس کے بغیر نئے لکھنے والوں کے قلم میں وہ شوقی اور قوم میں وہ طاقت مشکل سے آسکتی تھی جس کی
اس وقت ضرورت تھی۔''

جس سے اردو ادب کو نئی جدت اور زندگی سے معمور جذباتی ادب کی فضاء ملی۔ ان کوششوں کے نتیجہ میں ۱۹۳۶ء میں ادیبوں کی باقاعدہ انجمن کا احیاء ہوا۔ انجمن ترقی پسند مصنفین منظر عام پر آئی۔ اس کے قلم کاروں نے مرد ادیبوں شاعروں کے دوش بدوش خواتین بھی یکساں شامل ہوئیں۔ ترقی پسند تحریک خواتین کے لئے مستقل باب کھول دیا اور اب خواتین ہر شعبہ میں منظر عام پر آنے لگیں ان کے کام اور موضوع دونوں میں وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی۔

سیاسی فضاء کے ساتھ ساتھ ثقافتی و نسائی تحریک سامنے آئی جن میں خواتین نے فعال کردار ادا کیا۔ انجمن ترقی اردو کی باقاعدہ زنانہ شاخ قائم ہوئی۔ جن میں تعلیم یافتہ خواتین کی بڑی تعداد شامل ہوئی۔ اس ادبی اور سیاسی منظر نامہ میں ایک کتاب ''انگارے'' شائع ہوئی جو انقلابی انسانوں کا مجموعہ تھی۔ اس میں شعوری طور پر سماجی او رمذہبی مسائل پر آواز اٹھائی گئی تھی۔ اس دور میں ادب اور سماج کو مذہب کے--- سانچے سے دیکھا جانے لگا۔

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر خاتون مصنفوں نے بھی اپنے کو اور فن کو زندگی کے ادب کو ہم آہنگ کرنے پر زور دیا۔ رفتہ رفتہ اس کارواں میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اس تحریک کا ایک اہم رخ یہ ہے کہ اس کے زیر اثر تعلیم یافتہ خواتین میں ذہنی اور فکر آزادی کو ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ ابتداء میں بیشتر خواتین نے اپنی تخلیقات کو پس پردہ رکھا تھا۔ لیکن ترقی پسند تحریک کے قیام کے ساتھ ہی ان میں یہ حجاب ختم ہو گیا اور خواتین بھی آزادی کے ساتھ اپنی کاوشوں کو منظر عام پر لانے لگیں اور مختلف تحریکوں میں شامل ہونے لگیں۔

ترقی پسند تحریک کے زیر اثر ہی تعلیم نسواں کے سلسلہ میں ''خاتون'' رسالہ جاری ہوا۔ رشید جہاں کمیونسٹ نظر یات کے زیر اثر خوب مستعد رہیں۔ قیدی خواتین کے ساتھ مل کر کامیاب مہم چلائیں۔ ایک سیاسی ماہنامہ ''چنگاری'' بھی نکالا۔ رشید جہاں نے افسانوں اور ڈراموں کے ذریعہ خواتین کے مسائل کو پیش کیا۔ ان سے پہلے صغراء ہمایوں مرزا اور نذر سجاد نے بھی اپنے افسانوں کا موضوع 'عورت' ہی رکھا تھا لیکن اس میں اصلاح کا ایک نمایاں پہلو تھا۔

حجاب امتیاز نے اپنے ہم عصروں سے قدرے اختلاف کرتے ہوئے منفرد رومانوی اسلوب اختیار کیا لیکن اس دور میں عورت ایک محدود دنیا کے کینوس میں ہی پیش کی گئی۔ کیونکہ اسی محدود دنیا میں عورت اپنے کو مطمئن سمجھتی تھی۔ لیکن رشید جہاں نے عورت کو اس دور کے تقاضے سے ہٹ کر انسان کی حیثیت سے منظر عام پر لایا اور نسائیت کے ساتھ تانیثی حس کا بھی احساس دلایا۔ اس کے متعلق ڈاکٹر عظمیٰ فرمان کہتی ہیں کہ :

''رشید جہاں کے ہاں عورت پہلی مرتبہ بحیثیت انسان کے سامنے آتی ہے اور اپنے انسانی حقوق
پر اصرار کرتی ہے۔ وہ عورت کی غیر معمولی مظلومی اور مجبوری کا تذکرہ ہی نہیںکرتیں بلکہ اس کے
منفی پہلوئوں کو بھی بڑی سچائی کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔''

رشید جہاں نے مختلف افسانوی اور ڈراموں کے ذریعے سماجی شعور کو طبقاتی جدوجہد اور سیاسی فضاء میں پیش کیا ہے۔ رشید جہاں کو اس دور مں اس لئے ترجیح دی جاتی ہے کہ انہوں نے اپنے افسانوں اور ڈراموں کے ذریعے جن موضوعات کو پیش کیا وہ ترقی پسند مصنفین کے لئے تاریخی حیثیت بن گئے پھر آگے چل کر ایک بھرپور تحریک اختیار کرتے ہیں۔

رشید جہاں نے بے باکانہ انداز میں خواتین کے مسائل کو سادگی کے ساتھ پیش کیا۔ انہوں نے حقوق نسواں کو شدت سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ بقول محمد حسن۔

''پہلی بار ان کے ہاں عورت اپنے انسانی حق پر اصرار کرتی نظر آتی ہے۔ آخراس کی بھی اپنی ایک
شخصیت ایک زندگی ہے اور اسے حق حاصل ہے کہ اس حق کو برسکے۔''

رشید جہاں کی تحریروں میں ایک جوش رہتا تھا جو ان کے انقلابی نظریہ کو اجاگر کرتا تھا لیکن یہ بھی رشید جہاں کا خاص پہلو تھا کہ وہ جوش کے جذبات انداز فکر کا جواب سائنٹفک انداز میں دیتی ہیں۔ انہوںنے اپنے مضامین کے ذریعے تلخ حقیقتوں کو واضح کیا اور ادب میں ایک حرارت اور کیفیت پیدا کرنے کی ضرورت سمجھی تاکہ سماج میں بدلائو لایا جا سکے۔ وہ خود اس طرح کہتی ہیں :

''صرف حقیقت بیانی پر رکنا کوئی خاص انقلاب ادب پیدا نہیں کر سکتا جب تک کہ ادیبوں میں اپنے
قلم کے زور نے اس موجودہ سوسائٹی کو جس کا اصل نقش ہمارا مردہ کاہل ادب ہے۔ ہر پہلو سے بدلنے
کا سچا احساس پیدا نہ ہوگا اس وقت تک آپ کا ادب حقیقت زندگی اور سچ سے بیگانہ رہے گا۔''

روایتی ڈگر سے اپنی بے باکانہ شناخت اور ایک خاتون مصنفہ کی حیثیت سے اپنی بھرپور حق کی آواز کو بلند کرنے کا فن رشید جہاں کے ہاں خوب ملتا ہے اور یہی انداز

حقوق نسواں کی تحریکات کے لئے اہم سبب بنتا ہے۔ خواتین کی آزادی اور ان کے کام کی حمایت کا سلسلہ انہوننے جو اپنے مضامین سے شروع کیا تھا وہ شدت سے تحریک بننے لگا اور تانیثیت کی طرف بھی رخ کرتاہے۔

تخلیقی ادب کے فروغ کے ساتھ تحقیق و تنقید میں بھی خواتین آگے آگے تھیں۔ ممتاز شیریں جو افسانہ نگار تھیں ادبی صحافت سے وابستہ تھیں۔ انہوننے تنقید و تحقیق کی طرف توجہ کی اس طرح خواتین افسانہ شاعری کے علاوہ تحقیق و تنقید کے ذریعے ادب کے جملہ شعبوں میں اپنی صلاحیتوں کو سنوارنے لگیں۔ خواتین نے اس دور کے اردو کے مروجہ تحقیقی و تنقیدی شعبوں میں شامل ہونے کے پس پردہ سیاسی، سماجی محرکات تھیں، جس کے بعد خواتین میں باضاطبہ ادبی لسانی تحریکات کا سلسلہ چل پڑا۔ اور تحقیقی میدان میں خاتون محققین میں سب سے نمایاں مقام ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ کاآتاہے۔ انہوننے 'اردو ادب میں خواتین کا حصہ' عنوان پر پی ایچ۔ڈی۔ تو کی لیکن ان کا تحقیقی ادبی کارنامہ ہے جو اپنی شہرت دوام دیتا ہے وہ ہے ارد نثر کا آغاز و ارتقاء ۔ یہ ایک مبسوط تحقیق تاریخی دستاویز ہے۔ انہوں نے قریب ۱۰۰ مصنفین کا ابدالی ایک ہزار سال کی تاریخ پر محیط تفصیلی مطالعہ پیش کیا ہے۔ انہوننے جن بنیادی تحقیقی مسائل پر قلم اٹھایا ہے وہ محققین ادب کے لئے ایک اہم کڑی ہے۔

اس طرح اردو ادب میں خواتین کا کاروان بڑھتا گیا اور وہ اپنی شناخت اپنے وجود اور اپنی حیثیت کو بھرپور زندگی کے ساتھ منوانا چاہتی ہیں اور یہی آج کے عصری ماحول میں خواتین کی سب سے بڑی تحریک ہے۔

اسوسی ایٹ پروفیسرڈاکٹرشیخ میمونہ اللہ بخش
یو۔ای۔ایس۔مہیلا مہاودھیالیہ ، شولاپور